محمد سعید الرحمٰن علوی

لاہور میں مبلّغین اسلام کی سرگرمیاں

سمعانی نے لاہور کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شہر ہندوستان کے شہروں میں سے ایک ہے۔ اس میں خیر کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ اسے "لوھور" اور "لاھور" کہتے ہیں، اس شہر سے علما کی ایک بڑی جماعت نکلی جن کا فیضانِ علم لاہور سے بغداد تک پھیلا ہوا ہے۔[۱]

تاریخ میں اس شہر کے ناموں میں لوھور اور لاہور کے ساتھ ساتھ "لہاور" اور "لہاوور" بھی آتے بھی آتے ہیں، حموی کے بقول "وہی مدینۃ عظیمۃ فی بلاد الہند" ہے اور قلقشندی نے بھی تقریباً ایسا ہی لکھا ہے۔ البیرونی کے بقول یہ ایک شہر نہیں بلکہ ایک علاقہ ہے جس کا دار الحکومت "مندھوکور" ہے۔ البیرونی کئی سال یہاں رہے اور انھوں نے چشم دید حالات لکھے۔[۲]

سلطان مسعود غزنوی نے اپنے صاحبزادے مجدود کو اس کا والی بنا کر بھیجا، اس میں اس کا نام واضح طور پر "لاہور" لکھا ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تعالی نے اسے "لہانور من مضافات ملتان" لکھا ہے۔ غزنوی عہد اور عرب جغرافیہ دانوں اور فارسی شعرا کے یہاں جو اس کے نام ملتے ہیں ان میں لوہاور، لوہور، لاوھور، لھاوور ملتے ہیں اور جدید عہد کے اہلِ قلم نے مختلف روایات کو اکٹھا کر کے اس کی گیارہ شکلیں لکھی ہیں جن میں سب سے قدیم "لھور" ہے تو سب سے آخر میں لاہور، جو اب اس کا معروف نام ہے۔[۳]

ہمارے نزدیک اس ضمن میں سب سے اہم بات وہ ہے جو مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمائی یعنی اُنھوں نے اسے "قطب البلاد" ارشاد فرمایا۔ یہ قطب البلاد جس نے تاریخ کے کئی ادوار

۱۔ بحوالہ فقہائے ہند۔ ج: ۱، ص ۱۱۷ از محمد اسحاق بھٹی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور

۲۔ کتاب الہند ص ۱۰۱

۳۔ نقوش، لاہور نمبر ص ۲۹

دیکھے اور انگریزی عہد سے قبل سکھ گردی کا بری طرح شکار ہوا۔ پھر انگریز نے اپنے دور میں برعظیم کے شہروں میں سے جو چند شہر خاص طور پر اپنے لیے منتخب کیے ان میں لاہور سر فہرست ہے اور اب بھی اسے " پاکستان کا دل " کہا جاتا ہے۔ اب اس شہر کی آبادی ۴۰ لاکھ سے متجاوز ہے، اس میں موجود جامعہ پنجاب اور اورینٹل کالج پاکستان ہی نہیں متحدہ ہندوستان کے دور میں بھی اپنی خاص اہمیت رکھتے تھے۔ یہاں کی شاہی مسجد جسے صاحبِ سعادت بادشاہ غازی اورنگ زیب عالمگیر نے بنایا اور جو مدتوں علم وفضل کا مرکز بنی رہی وہ اس شہر میں موجود ہے۔ اس کے عین سامنے دیوہیکل قلعہ نیز مغل بادشاہوں کے دوسرے مآثر اس شہر کا طرۂ امتیاز ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس شہر میں اسلام کیسے آیا اور یہاں دعوتِ دین کی ابتدا کرنے والے کون تھے اور پھر ان کے بعد کون کون آئے اور کس طرح انھوں نے اس شہر کو دینی، علمی اور روحانی طور پر آباد کیا اور اس کی شہرت کو چار چاند لگائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیائے اسلام کا بڑا حصہ ایسے ہی باہمت اور باخدا لوگوں کے فیضان سے اسلام کی گود میں آیا۔ انھوں نے لوگوں کے قلوب و اذہان کو مسخر کیا اور "جو دل کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ" کے مصداق فاتح زمانہ کہلائے۔ لاہور جیسا اہم ترین اور قدیم تاریخی عظمت کا حامل بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، اسے خیر و برکت والا شہر یا قطب البلاد جو اگلوں نے کہا تو اسی سبب سے۔ اور ہم انہی لوگوں کا اختصار سے ذکر کریں گے جو اس شہر کے بے تاج بادشاہ، اقلیم علم و عرفان کے تاجدار اور نور علم پھیلانے والے تھے، جن کی تبلیغی مساعی سے یہ شہر اس مقام کو پہنچا۔

ان میں سب سے پہلے جس بزرگ کا نام سامنے آتا ہے وہ ہیں شاہ اسمٰعیل محدث رحمہ اللہ تعالیٰ جو عہد غزنوی میں لاہور تشریف لائے[۵۴] افسوس کہ دور غزنوی سے قبل ہم تلاش بسیار اور کوشش بلیغ کے

---

۵۴ ہمارے محترم کرم فرما جناب محمد اسحٰق بھٹی صاحب کی کتاب " فقہائے ہند " اس ضمن میں بہت خوب کتاب ہے جس میں بہت سی اہم شخصیات کا ذکر ہے جو لاہور سے متعلق تھیں اور کوچۂ علم و عرفان اور دعوت و تبلیغ نیز تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی تھیں۔ یاد رہے کہ بھٹی صاحب کا سلسلہ ابھی تک تیرھویں صدی ہجری تک پہنچا ہے، چودھویں صدی جو اس اعتبار سے بڑی اہم صدی ہے، اس صدی کے اہلِ علم کا تذکرہ باقی ہے۔

باوجود لاہور کی حد تک کسی ایسی شخصیت کا سراغ نہیں لگ سکے جو اس کوچے میں اپنا ایسا مقام رکھتی ہو ۔ شاہ محمد اسمٰعیل محدث رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختصر حالات یہ ہیں ۔

آپ محدث اور مفسر تھے اور پہلے شخص تھے جنھوں نے لاہور میں علم حدیث و تفسیر کی اشاعت کی ، ان کی مجلس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ، ان کا وعظ سنتے اور مشرف بہ اسلام ہوتے ۔ ۴۴۸ھ ۵۷ - ۱۰۵۶ء میں لاہور ہی میں ان کا انتقال ہوا[۵] صاحب نزہتہ الخواطر نے لکھا ہے کہ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے ۔ اپنے والد سے اخذ علم کیا ، لاہور ہی میں ان کا قیام رہا ؛ وہ بڑے عالم ، متقی اور صاحب ریاضت و مجاہدہ تھے[۶] صاحب حدائق الحنفیہ نے انھیں سادات بخارا میں سے لکھا ہے اور تحریر کیا ہے کہ وہ سلطان مسعود غزنوی کے دور میں ۳۹۵ھ میں لاہور آکر مقیم ہوئے ۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے ۔ واعظانِ اسلام میں سے سب سے پہلے آپ ہی لاہور آئے اور ہزاروں کافر آپ کی تبلیغ سے مشرف ہوئے ، جو شخص آپ کی مجلسِ وعظ میں آتا بغیر کلمہ توحید پڑھے واپس نہ جاتا ۔ آپ کے پہلے تین جمعوں میں علی الترتیب اڑھائی صد، پانصد اور ایک ہزار کافر مسلمان ہوئے ۔ آپ کا سالِ وفات لفظ "مہتاب" سے برآمد ہوتا ہے ۔ ہال روڈ لاہور پر آپ کا مزار اس وقت بھی موجود ہے[۷] صاحب خزینۃ الاصفیا نے بھی آپ کا لاہور آنا ۳۹۵ میں لکھا ہے جب کہ رائے بہادر کنھیا لال نے ۱۲ھ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ۔ آپ نے لاہور میں ۳۶ برس وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کا کام کیا ۔ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے ۔ تحفۃ الواصلین اور مآثر لاہور کے مصنفین نے بھی یہی لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل محدث حضرت السید ہجویری سے پہلے لاہور آئے ۔ شاہ اسماعیل محدث چونکہ سادات بخارا اور حضرت الشیخ جیلانی الحنبلی قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے ، اس لیے آپ کے وعظ و تبلیغ میں اپنے اسلاف کا رنگ نمایاں تھا ۔ حضرت الشیخ جیلانی بہت بڑے مبلّغ تھے ، ان کی تبلیغ و تقریر غایت درجہ مؤثر ہوتی ۔ اور ان کے فیوض سے خلق خدا کو بڑا فائدہ ہوا ۔

---

۵ تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۱۱ مطبوعہ ۱۹۶۱ - کراچی

۶ نزہتہ الخواطر ج ۴ ، ص ۳۷

۷ حدائق الحنفیہ ص ، ۲۲۱

آپ کے مواعظ "الفتح الربانی" کے نام سے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، جن کا اردو ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی فاضلِ دیوبند کے قلم سے موجود ہے، ان مواعظ کے ترجمے کو پڑھ کر بھی دل پر عجیب قسم کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ پھر آپ کی کتاب غنیتہ الطالبین اصلاح عقائد و اعمال میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا سید عبدالدائم الجلالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ آپ اپنے وقت کے بالغ نظر عالم اور فاضل مبلغ اور داعی الی اللہ تھے۔

شیخ اسماعیل محدث کے قریب العصر بزرگ اور عالم ربانی حضرت علی مخدوم غزنوی ہیں، جن کا شجرۂ نسب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے۔ آپ اپنے شیخ ابوالفضل بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ لاہور شیخ اسمٰعیل محدث کی کاوشوں سے دینی اور علمی طور پر ترقی پذیر شہر تھا۔ مسجد کے ساتھ آپ نے مدرسے کی باقاعدہ داغ بیل ڈالی اور اس میں درس و تدریس کا اہتمام کیا۔ آپ چونکہ خود علوم عالیہ سے بہرہ ور اور تدریس میں خاص مقام کے حامل تھے، اس لیے طلبا کا خوب رجوع ہوا اور یہ سلسلہ دن بھر جاری رہتا، جب کہ رات کو مجلس وعظ و تلقین بپا ہوتی ۵۸ ۴۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے زمانے میں بقول دارا شکوہ لاہور میں حفظِ قرآن کا خوب رواج ہوا اور ہر محلے میں کافی تعداد میں حافظ صاحبان نظر آنے لگے۔ آپ کی کئی ایک تصانیف کا ذکر قدیم تذکروں میں موجود ہے جن میں سے کشف المحجوب خاص طور سے مشہور ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ اس کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس کا صحیح ترین فارسی نسخہ روسی ریاست تاشقند میں چھپا، جس کا عکس یہاں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے چھپوایا۔ اس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر اسمتھ نے کیا جو شائع شدہ موجود ہے۔ یہ کتاب ہمارے کلاسیکی لٹریچر میں منفرد مقام رکھتی ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب کشف الاسرار ہے ۵۹ خواجہ نظام الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول کشف المحجوب ایسی کتاب ہے کہ اگر کسی کو مرشد کامل و صادق نہ ملے تو یہ کتاب اس کو کافی ہے۔ ۶۰ آپ علم ظاہر سے معاملات کا علم مراد لیتے اور علم باطن سے تصحیح نیت۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جملہ اہل سلوک

---

۵۸ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۸۴

۵۹ نقوش لاہور نمبر، ص: ۱۶۱

۶۰ دورِ نظامی بحوالہ تصوف اسلام از مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔

اور اربابِ تصوف کے نزدیک تزکیہ واحسان کا مقصود یہی ہے جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے منقول ہے[11] حضرت علی ہجویری کے نزدیک سالک وہ ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے اور اس کے بندوں کے حق ادا کرے ۔ آپ کی کتاب کشف المحجوب کا مطالعہ بہت مفید ہے ، اس سے آپ کی تعلیمات اور آپ کے ذوقِ لطیف کا پتا چلتا ہے ۔ آپ کا مزار بھاٹی دروازے کے باہر ہے اور مرجع عوام وخواص ہے ۔

آلِ تیمور اور لاہور

لاہور میں علمی اور روحانی سرگرمیوں کا عروج آلِ تیمور کے دور میں نظر آتا ہے ۔ مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر جو مغلیہ خاندان کا بانی تھا ، اپنے علم وفضل کے اور اہل علم کی سرپرستی کے اعتبار سے بہت سی صفات کا حامل تھا ۔ افسوس یہ ہے کہ اس کے پوتے جلال الدین اکبر کے زمانے میں دنیا پرست علما کی غلط روش نے اکبر جیسے شخص کو ایسے رُخ پر ڈال دیا ، جس سے بڑے ہی نقصانات سامنے آئے ۔ عہدِ جہانگیر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طوفان کے سامنے بند باندھا ۔ پھر آگے چل کر شاہ جہاں کے جانشینوں میں جو تلخی پیدا ہوئی اس سے بھی بے حد نقصان ہوا ، تاہم یہ واقعہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر تک اس سلطنت نے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور اس کے بعد بہادر شاہ ظفر تک پھر اضمحلال ہی اضمحلال سامنے آیا ، تاہم علمی اعتبار سے یہ دور بھی بانجھ نہ تھا ۔ اسی لاہور میں بابر کے دور میں دولت خاں لودھی کا عظیم الشان کتب خانہ تھا جس کی نگہداشت کا بابر نے خوب سے خوب تر انتظام کیا ۔ ہمایوں کی پریشانیاں اپنی جگہ تھیں لیکن علم پروری اور علما کی مصاحبت سے وہ اس دور میں بھی غافل نہ تھا ۔[12]

اس دور میں ایک بزرگ سید عبداللہ لاہوری نظر آتے ہیں ، آپ بھکر کے سید عبدالخالق کے فرزند ارجمند تھے ۔ ۹۴۳ھ / ۱۵۳۶ء میں وفات ہوئی ۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں اپنی مثال آپ تھے اور خاص طور پر

---

[11] مولانا گنگوہی کا یہ قول حضرت مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری مہاجر مدینہ نے اپنے مکتوبات میں نقل کیا ہے ۔ آپ کے حالات کے لیے تذکرۃ الرشید از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ملاحظہ فرمائیں اور خلیفہ صاحب کا قول مولانا عبیداللہ انور نے نقل کیا ہے ۔ آپ کی سوانح "ید بیضا" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے ۔

[12] تذکرہ حضرت علی ہجویری (انگریزی) محمد امین الدین صاحب مطبوعہ لاہور ۔

تفسیر، حدیث اور فقہ میں تو مہارت تامہ حاصل تھی۔ سیر چشم اور غنی اتنے تھے کہ کوئی سائل کبھی آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں گیا[۱۳] صاحب نزہتہ الخواطر کے بقول خلق خدا کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا اور اصلاح حاصل کی۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ امرا و وزرا سے بے نیاز رہتے، کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا، لیکن طلبا کی خدمت میں ہمہ تن مشغول رہے اور مخلوق کی اصلاح کے لیے سرگرم عمل۔

اسی دور کے ایک صاحب شیخ حمید سنبھلی ہیں، جو کچھ عرصہ لاہور میں مقیم رہے اور تفسیر قرآن کو خوب رواج دیا جس سے بڑی اصلاح ہوئی۔ حکیم عبدالحی حسنی مرحوم نے ان کے تذکروں میں لکھا ہے کہ:

"انھیں تفسیر قرآن اور اسے لوگوں تک پہنچانے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں سے عام لوگوں کو نصیحت کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا"[۱۴]

تذکرہ نگاروں نے لاہور سے متعلق اسی طرح قرناً بعد قرنٍ خدمت علم و دین اور دعوت و تبلیغ کرنے والے حضرات اور اعاظم رجال کا ذکر و تذکرہ بڑے اہتمام سے کیا ہے، مثلاً مولوی رحمان علی صاحب کے تذکرہ علمائے ہند میں جس کا فارسی سے اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم نے حواشی اور تعلیقات کے ساتھ کیا ہے، نیز حدائق الحنفیہ اور نزہتہ الخواطر، طبقات اکبری، تحقیقات چشتی وغیرہ کتابوں میں ایسے بہت سے نام اور ان کے کارنامے آپ کو نظر آئیں گے۔ تفصیل تو بڑی مشکل ہے، چیدہ چیدہ حضرات کا ذکر مختصر طور پر کیا جاتا ہے۔ شیخ حسن بن محمد صغانی دراصل ماوراءالنہر کے ایک مشہور شہر صغان کے باشندہ تھے۔ مدۃ العمر لاہور رہے۔ ۵۷۷ھ (۱۱۸۱ء) کو ان کی ولادت اور ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) کو وفات ہوئے۔ مولوی رحمان علی کے بقول محدث، فقیہہ، عالم با عمل اور واقف احکام و معانی بزرگ تھے[۱۵] حدیث کی معروف کتاب "مشارق الانوار" کے علاوہ ان کی متعدد مطبوعات ہیں جو مختلف علوم و فنون سے متعلق ہیں، ان کا آخری گھر مکہ معظمہ میں ہے جہاں وہ اپنی وصیت کے مطابق دفن ہوئے۔ لاہور میں

---

۱۳ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۲۶۴

۱۴ نزہتہ الخواطر، جلد ۴، ص: ۲۰۸

۱۵ ایضاً ، ص: ۹۸

ان کی علمی سرگرمیوں کا تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے ۔ صاحب حدائق الحنفیہ کے بقول وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں، ۶۱۷ھ میں خلیفہ بغداد کی طرف سے بطور سفیر ہندوستان آئے اور ۶۲۴ھ تک یہاں رہے، لیکن سفارت کے ساتھ علمی، تدریسی اور تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ ایک بار پھر بطور سفیر ان کی آمد لاہور ہوئی اور ۶۳۷ھ میں واپس گئے، اس کے بعد بغداد سے مکہ معظمہ چلے گئے، اور مکہ معظمہ میں شیوخ حدیث سے استفادہ کرکے واپس آئے۔ ۶۵۰ھ میں وفات ہوئی تو اپنے گھر میں بطور امانت دفن کیے گئے، وہاں سے آپ کے بیٹے مکہ معظمہ لے گئے اور وہاں دفن کیے گئے کہ آپ کی وصیت یہی تھی۔ آپ اپنی موت اور قبر کے لیے مکہ معظمہ کی اکثر دُعا مانگتے تھے۔ مشارق الانوار میں یہ الفاظ درج ہیں۔ "اماته بهاحميدا فاقبره ثم اذا شاءٔ انشره" آپ کی تاریخ وفات "محدث زیب فصحاءٔ" ہے[۱۶] مولانا عبدالحی حسنی نے نزہتہ الخواطر ج ۱ : ص ۱۳۷ تا ص ۱۵۶ میں اور دوسرے حضرات نے بڑی تفصیل سے ان کی سرگرمیاں اور علمی کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔

بعض اہم شخصیات جو اسی دور یا لگ بھگ میں لاہور میں نظر آتی ہیں، ان میں ملا جمال لاہوری ہیں جو محلہ تلّہ (موجودہ میو ہسپتال) میں قیام کے سبب تلوی کہلاتے ہیں۔ ان کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ ممتاز عالم اور جامع العلوم تھے[۱۷] نیز لکھا ہے کہ وہ حاجی اسمٰعیل اچّی کے شاگرد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تدریس میں اپنی مثال آپ تھے اور چند ثانیوں میں طلبا کو مسائل سمجھا دیتے تھے، اپنی نیکی کے سبب عوام میں بڑے مقبول تھے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے فیضی کی تفسیر کی جا بجا اصلاح کی۔ ملا بدایونی نے انھیں "اعلم العلما" لکھا ہے[۱۸]

شیخ سعداللہ بنی اسرائیلی موجودہ دہلی دروازہ اور اسٹیشن کے درمیانی علاقے میں مقیم تھے۔ وہ مبلغ و واعظ سے زیادہ پیر طریقت تھے۔ شیخ بایزید دیپال پوری سے اُنھوں نے کسب فیض کیا تھا۔ امام غزالی کی کتاب احیاءٔ العلوم ہر وقت ان کے زیرِ مطالعہ رہتی، غزالی کی تفسیر جواہر القرآن کی شرح انھوں نے

---

۱۶ حدائق الحنفیہ، ص: ۲۸۲

۱۷ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۵۲

۱۸ منتخب التواریخ، ج: ۲، ص: ۱۰۵

لکھی ۔ لفظ " ذاکر " ان کے سن پیدائش کا پتا دیتا ہے اور لفظ "حکیم" سن وفات کا (۹۲۱ - ۹۹۹)

یشیخ منور لاہوری وہ مرد باخدا ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ہم عصر تھے ۔ آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اور وہیں آپ کی وفات ہوئی ۔ (۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) نہایت موثر واعظ تھے اور بدعات کے شدید مخالف ۔ رشتے میں شیخ سعد اللہ کے خواہر زادہ تھے اور ان کے شاگرد ۔ شہادت کی موت نصیب ہوئی ۔ آپ نے مشارق الانور کی شرح لکھی ۔

ان حضرات کے علاوہ اس دور میں جو لوگ سر آمدہ روزگار تھے ان میں شیخ ابو اسحق لاہوری، شیخ احمد بن عبد المالک ، شیخ اسحاق کاکو ، قاضی صدر الدین ، مولانا عبد الرحمٰن ، مولانا عبد السلام ، مولانا عبد اللہ لاہوری ، مولانا مفتی محمد ، قاضی محمد معین اور شیخ منصور لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کتب رجال میں ملتا ہے ۔ یہ سب حضرات علم و فضل میں یگانہ ، درس و تدریس میں ماہر اور دعوت و تبلیغ میں دلِ درد مند کے مالک تھے ۔ ملا عبد الغنی نے جو لکھا ہے کہ " ہر صاحب علم کی پہلی منزل لاہور ہوتا " اور امین الدین رازی نے جو یہ لکھا ہے کہ " لاہور میں علما و فضلا کی تعداد گنتی اور شمار میں نہیں آسکتی " تو یہ غلط نہیں ۔ اسی طرح داراشکوہ نے اس شہر کے متعلق جو ۱۰۴۳ھ میں لکھا ہے کہ " لاہور ایک نہایت معزز اور ممتاز شہر ہے اس کا ثانی روئے زمین پر نہیں ۔ آج یہ شہر اولیا ، صالحین ، علما ، فضلا اور شعرا کا مرکز بنا ہوا ہے ۔ یہاں بہت سے مشائخ اور اولیا کے مزارات ہیں ۔ شہر لاہور کے محلّہ تلہ (سرائے رتن چند ، میو ہسپتال) میں تین ہزار حافظان قرآن موجود تھے تو یہ بالکل صحیح ہے ۔[19]

علاوہ ازیں مولانا جان محمد لاہوری ، مفتی عبد السلام لاہوری ، قاضی عبد الشکور ، شیخ عبد القادر ، مولانا عبد الکریم ، مولانا قیام الدین ، قاضی محمد افضل ، مولانا محمد یعقوب ، شیخ منور لاہوری اور مولانا یوسف لاہوری کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔ مولانا جان محمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حدیث ، تفسیر اور فقہ کے بے نظیر عالم اور مدرس تھے ۔ " مسجد قصاب " میں درس دیتے اور خارج وقت میں محنت مزدوری کر کے اپنا اور طلبا کا پیٹ پالتے تھے ۔[20]

---

[19] سفینتہ الاولیا

[20] نزہتہ الخواطر ، ج ۵ ، ص : ۱۰۶

مفتی عبدالسلام کے درس وتدریس کی ان کے زمانے میں مثال نہیں ملتی اور عوام کی جو اصلاح ہوئی وہ بھی بے مثال ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جس علم وفن میں ہاتھ ڈالتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو مجھ پر کھول دیتے اور آسان فرما دیتے ہیں۔ کثرت تدریس کے سبب تصنیف نہ کر سکے، آخر عمر میں اس کا افسوس کرتے تھے[۲۱]۔ البتہ مولوی رحمان علی صاحب نے ان کے ایک حاشیے کا ذکر کیا ہے جو بیضاوی پر لکھا ہے[۲۲]۔

قاضی عبدالشکور کے مختلف علوم وفنون میں یگانہ روزگار ہونے کا اعتراف سب تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ ایک زمانے میں شیراز ہند جون پور کے قاضی تھے، پھر اس سے الگ ہوئے تو درس وافادہ میں لگ گئے[۲۳]۔

شیخ عبدالقادر اُچ کے رہنے والے حسنی سادات سے تھے۔ لاہور کو اپنی علمی وتبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اکبر بادشاہ نے بڑے اعزاز سے سفر حج وزیارات پر روانہ کیا، واپسی پر لاہور ہی کے ہو کر رہ گئے[۲۴]۔ صاحب خزینۃ الاصفیا کے بقول عالم، متقی، زاہد، کریم، لوگوں کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرنے والے اور بہت ہی عبادت گزار تھے۔

حاجی عبدالکریم کے تذکرہ سے ان کا صوفی ہونا اور فصوص الحکم کی شرح کے ساتھ تصوف میں ان کی تصنیف اسرار عجیبہ کا پتا چلتا ہے[۲۵]۔

مولانا قیام الدین فقہ، اصول اور ادب عربی کے مانے ہوئے عالم تھے۔ ان کے حافظے کی دھوم تھی، جو سن لیا کبھی نہ بھولا[۲۶]۔

قاضی افضل کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم شریعت کے ساتھ ساتھ صوفی باصفا تھے اور ان

۲۱ھ نزہتہ الخواطر، ج ۵، ص ۲۳۰

۲۲ھ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۲۹۸

۲۳ھ نزہتہ الخواطر، ج: ۵، ص: ۲۳۲

۲۴ھ ایضاً ص: ۲۴۴

۲۵ھ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۲۰

۲۶ھ نزہتہ الخواطر، ج: ۵، ص: ۳۲۴

سے بہت لوگ فیض یاب ہوئے اور ان کی اصلاح ہوئی[۲۷]

مولانا یعقوب کے جہاں علم و افادہ کا شہرہ تھا وہاں انسانی اخلاق میں آپ فرشتہ سیرت شمار ہوتے تھے اور آپ کا وجود سرچشمۂ فیض اور منبع خیر تھا۔ ملا محمد صالح نے کہا تھا کہ آج یہ شخص تمام معاصرین سے بڑھ کر ہے[۲۸]

شیخ منور لاہوری الشیخ الکبیر العلامہ تھے[۲۹] حفظ و ادراک میں ان کی مثال نہ تھی، قرأت سبعہ کے قاری تھے اور اس دور میں یہ بڑا اعزاز تھا۔ مالوہ کے صدر الصدور ایک عرصے تک رہنے کا اتفاق ہوا، اور پھر معزول کر کے گوالیار کے قلعہ میں اس لیے نظر بند کر دیے گئے کہ حضرت مجدد صاحب کی تحریک اصلاح کے ہم نوا اور غیور تھے۔ بعد میں بادشاہ نے مال اور کتب خانہ تک ضبط کر لیا اور آگرہ کے جیل خانے میں ڈال دیا، وہیں وفات ہوئی۔ دقت نظر، وسعت معلومات، مسائل کے استحضار اور سرعت ادراک میں ان کا جواب نہ تھا۔ تفسیر قرآن میں خاص طور پر ماہر تھے اور اس کی نشر و اشاعت میں انتہائی متحرک تھے[۳۰]

ایک بزرگ مولانا محمد صدیق لاہوری تھے جن کا انتقال ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) میں ہوا۔ یہ مسجد وزیر خاں کے خطیب تھے، فقہ اور ادب کے ماہر اور رمز شناس، علم کے اتنے پیاسے کہ حرمین شریفین کے سربرآوردۂ روزگار علما شیخ یحییٰ ابن صالح مکی اور شیخ ابوالحسن سندھی مدنی سے ۱۱۷۰ھ میں استفادہ کیا۔ جہاں وعظ و تدریس میں نام پیدا کیا وہاں ان کی تصانیف کی بھی ایک لمبی فہرست ہے[۳۱]

مولانا محمد عابد لاہوری ایک بزرگ تھے جن کا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ لاہور سے حرمین شریفین تک پیدل گئے اور اسی طرح واپس آئے، علمی خاندان سے تعلق تھا۔ بہت بڑے عالم، فقیہہ، مفسر، محدث اور بے حد عبادت گزار تھے۔ ان سے خلق خدا کو

---

[۲۷] نزہتہ الخواطر، ج: ۵، ص ۳۷۲

[۲۸] نقوش لاہور نمبر ۵۰۸، بزم تیموریہ ۲۴۴

[۲۹] نزہتہ الخواطر، ج: ۵، ص: ۴۲۳

[۳۰] اذکار ابرار ص ۴۷۲ مطبوعہ لکھنؤ

[۳۱] تذکرہ علمائے ہند ص، ۴۳۹، حدائق الحنفیہ ص: ۴۷۰

بہت فائدہ ہوا۔ بعض حواشی اور بعض تصانیف ان کی یادگار ہیں۔[۳۲]

ایک بزرگ مولانا یار محمد تھے۔ نہایت درجہ غیور، اشاعت دین میں تیز اور جری، غایت درجہ محتاط، متبعِ سنت اور ممتاز مدرس تھے۔[۳۳]

بدایونی نے محلہ لنگر خاں لاہور کے مولانا اللہ داد کا ذکر کیا ہے جو علوم مروجہ کے فاضل، درس و تدریس میں ہمہ وقت مشغول اور نہایت درجہ صاحب ورع اور تقویٰ عالم تھے۔[۳۴]

سکھوں کے ظالمانہ دور کے ایک بزرگ مولانا روح اللہ تھے جو درس و تدریس اور افادہ و اصلاح میں مشغول رہے۔ ان کا فتویٰ بے حد مقبول تھا۔ مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں سے یمن گئے، وہیں ۱۲۴۴ھ میں وفات پائی۔[۳۵]

مشہور صوفی بزرگ عنایت اللہ قادری دراصل قصور کے باشندے تھے، لاہور چلے آئے تھے۔ ان کا پایۂ علمی بہت بلند تھا جس کا ثبوت ان بلند پایہ تصانیف اور حواشی سے ملتا ہے جو انھوں نے لکھے۔[۳۶]

مولوی غلام رسول لاہوری ممتاز عالم تھے۔ درس و افادہ میں پنجاب بھر میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔[۳۷] ان کے استاذ مولانا غلام فرید (۱۲۱۶ھ) بھی لاہور کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ طبیعت پر تجرید کا غلبہ تھا، اہل دنیا سے مطلق سروکار نہ تھا، لیکن طلبا کو پڑھنے پڑھانے میں سیری نہ ہوتی۔[۳۸]

ملا کمال لاہوری کے علم و فضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مجدد الف ثانی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ان کے شاگرد تھے۔[۳۹] نیز اخبار الاخیار سے پتا چلتا ہے کہ سلطان بلبن ان کو اپنا امام مقرر کرنے کی آرزو کرتا

---

[۳۲] تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴۳۹ - حدائق الحنفیہ ص: ۴۷۰

[۳۳] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص: ۴۱۸ - ۴۱۹

[۳۴] منتخب التواریخ ص: ۴۶۷

[۳۵] تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۹۸

[۳۶] ایضاً ص: ۳۵۷

[۳۷] حدائق الحنفیہ، ص: ۴۸۹ - تذکرہ علمائے ہند، ص: ۳۶۲

[۳۸] تذکرہ علمائے ہند، ص: ۳۶۶

[۳۹] ایضاً ص: ۴۰۰

تھا لیکن ان کے استغنا کے سبب کامیاب نہ ہو سکا۔

۱۸۷۹ء میں وفات پانے والے مولوی حافظ ولی اللہ نے عیسائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو اپنے علم وفضل اور مناظرانہ مہارت سے روکنے میں شاندار کارنامہ سرانجام دیا[۴۰] شہر بھر کے لوگ ان سے فتوے لیتے، شاہی مسجد میں ہر جمعے کو وعظ کہتے جو نہایت مؤثر ہوتا۔ صاحب تصانیف تھے[۴۱]

حضرت الشیخ ابوالمعالی اہل طریقت میں سے تھے۔ اصلاح عقائد میں ان سے مخلوق کو بڑا فائدہ ہوا۔[۴۲]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلیفہ الشیخ محمد طاہر حضرت کے حکم سے لاہور آئے، ان کے درس و افادہ کا سلسلہ وسیع تھا اور مجددی نسبت کے پیش نظر اصلاح عقائد اور رد بدعات میں اپنی نظیر آپ تھے۔ کتب درسیہ اپنے ہاتھ سے لکھتے، تصحیح کرتے اور فروخت کر کے معاش کا انتظام کرتے۔ حضرات مجددیہ کے حالات پر مشتمل "حضرات القدس" میں ان کا تذکرہ موجود ہے[۴۳]

شیخ احمد بن عبدالملک لاہوری کے متعلق منقول ہے کہ وہ غایت درجہ فقر و زہد کے باوجود درس و افادہ اور اصلاح خلق میں سرگرم عمل رہے۔[۴۴]

مولانا سعد اللہ لاہوری جو ملتان سے لاہور تشریف لائے کثیر الدرس والافادہ تھے۔ شیخ منور لاہوری جیسے بزرگ ان کے شاگرد تھے[۴۵]

سکھوں کا دور جو ملک کے بڑے حصے خاص طور پر لاہور کے لیے انتہائی مشکلات کا دور تھا، جس میں لاہور کی مساجد، مدارس اور دوسرے ادارے اس قوم کی بربریت کا شکار تھے، اس دور تک کسی قدر اختصار اور جامعیت کے ساتھ ہم نے ایسے جلیل القدر علما کا ایک حد تک ترتیب زمانی سے اور آخر میں

۴۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴۰۰

۴۱۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۵۰۸

۴۲۔ نزہتہ الخواطر، ج: ۵۔ ص ۳۴

۴۳۔ ایضاً، ص: ۳۹۲

۴۴۔ ایضاً، ج: ۴۔ ص: ۲۳

۴۵۔ ایضاً ص: ۱۲۳

کچھ حصہ بغیر ترتیب کے ذکر کردیا ہے۔ اس تحریر سے جو شاید بے ربط سمجھی جائے گی، قارئین یہ اندازہ کرسکیں گے کہ لاہور ہر دور میں ایسے اعاظم رجال کا مرکز رہا ہے جو علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر ہیں، شریعت و طریقت میں یگانۂ روزگار، درس و افادہ میں بے نظیر اور اصلاح خلق میں اپنی مثال آپ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے حضرات کے متعلق لکھا گیا ہے اُن سے زیادہ وہ ہیں جن کے تذکروں تک کوشش کے باوجود رسائی نہ ہو سکی اور بعض کا کہیں ذکر ہی نہیں، خدا معلوم وہ کتنے ہوں گے۔ لیکن جو کچھ سامنے آیا، اس سے لاہور کی علمی عظمت و مرکزیت اور یہاں کے مصروف مبلغین اسلام کی ایک جھلک سامنے آجاتی ہے۔

اب ہم تین ایسے خاندانوں کا ذکر کریں گے، جو دور آخر میں لاہور کے علمی افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور اُنھوں نے لاہور کی علمی عظمتوں اور اس کی مرکزیت کی لاج رکھی۔ یہ دور بڑا ہی خطرناک تھا، سکھوں کے بعد انگریز کا راج، اس کا ظلم و ستم اور اس کی جبر و قہر کی پالیسی، خاص طور پر ارباب علم سے اس کی بیزاری اور دشمنی ایسی باتیں ہیں جن سے اصحاب علم بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن جلتی آگ میں کود کر عظمت خداوندی کا نعرہ لگانا انہی کا کام ہوتا ہے جو ابراہیمی ایمان کا کوئی حصہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ تین خاندان جن کا ذکر ہم کریں گے وہ ایسے ہی خاندان تھے، جنھوں نے جانِ عزیز ہتھیلی پر رکھ کر دین الٰہی، علم وحی اور سنت رسول کی حفاظت کی۔ ان میں سے ایک تو بگوی خاندان کے افراد ہیں جن کے آبا و اجداد بگہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے، جنھیں دہلی کے مدرسہ رحیمیہ میں امام ولی اللہ دہلوی کے جانشینوں سے کسبِ فیض کا موقع ملا اور جن کا علمی راج لاہور سے بھیرہ تک برابر جاری رہا۔ دوسرا خاندان حضرت سید علی ہجویری کے ہم وطن ان غزنوی سادات کا ہے جن کے آخری رکن حضرت مولانا سید داؤد غزنوی اور ان کے فرزند تھے یعنی سید ابوبکر غزنوی مرحوم تھے۔ یہ خاندان علم و شرافت اور ورع و طریقت کی دولت لے کر غزنی سے امرتسر اور لاہور تک جس طرح آیا اور جس طرح خدمت دین و علم کی وہ بہر حال عجیب و غریب داستان ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا تذکرہ ہو اور ہم اس سے سبق حاصل کریں اس خاندان کے ضمن میں بعض ان حضرات کا بھی ذکر آجائے گا جو وحدت فکری کے طور پر اس خاندان سے وابستہ اور صحیح معنوں میں خادم دین ہیں۔ تیسرا خاندان مولانا احمد علی لاہوری کا تھا جو واقعہ یہ ہے کہ اپنی شخصیت اور کردار و خدمات کی بنا پر خاندان کے پہلے اور آخری فرد تھے، لیکن اُنھوں نے تن تنہا جو جوت جگائی اس نے لاہور ہی نہیں پورے پنجاب کو متاثر کیا اور ان کا فیض چین سے مکہ معظمہ تک پہنچا، مولانا لاہوری جو پابجولاں لاہور آئے، ان سے قدرت نے جو کام لیا وہ ایسی لذیذ حکایت ہے جو بہر طور دہرائی جانی ضروری ہے۔ تو لیجیے اب

سنیے خاندان بگوی کا ذکر۔

بگہ تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، بھیرہ ضلع سرگودھا کے مشہور عالم قصبے سے متصل۔ بس درمیان میں دریائے جہلم حائل ہے۔ اس معمولی گاؤں کو اس خاندان کے سبب شہرت نصیب ہوئی جسے علم حدیث کا شوق دہلی میں حضرت الامام الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی درس گاہ تک لے گیا[۴۷۶] اس خاندان میں کئی نامی گرامی حضرات پیدا ہوئے جنھوں نے لاہور اور بھیرہ میں دین وعلم، درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کے ذریعے بے پناہ خدمت کی۔ بھیرہ (ضلع سرگودھا) میں شیر شاہ سوری کی بنا کردہ مسجد جو سکھوں کے عہد میں بند کر دی گئی تھی، اس خاندان کے نامور چشم وچراغ مولانا احمد دین بگوی[۴۷۷] مصنف "دلیل المشرکین" نے آباد کی اور اس میں "دارالعلوم عزیزیہ" کی بنیاد رکھی، جو شمالی پنجاب کا اہم ترین دینی ادارہ تھا، اس ادارے کی تبلیغی کانفرنس علاقہ بھر کی اہم ترین کانفرنس تھی جس میں اپنے دور کے بڑے بڑے علما واکابر شرکت فرماتے رہے۔ اس خاندان کے حضرات کا روحانی تعلق سیال شریف ضلع سرگودھا کے ارباب علم اور صاحبان طریقت سے رہا، بعد میں مرکزِ عقیدت خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی قرار پایا جہاں کے مرحوم اکابر مولانا احمد خاں اور مولانا محمد عبد اللہ نقشبندی مجددی رحمہما اللہ تعالیٰ کے روحانی وارث اب مولانا خان محمد ہیں۔ مولانا ظہور احمد بگوی اس خاندان کے جری، بہادر اور باہمت عالم تھے، ملک کی آزادی کی تحریکوں سے ان کا مدتوں تعلق رہا۔ کچھ عرصہ مسلم لیگ سے بھی وابستہ رہے، لاولد دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے برادر زادے مولانا افتخار احمد

---

۴۷۶ اس خاندان کے تفصیلی حالات کے لیے مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم کا رسالہ "تذکرہ مشائخ بگہ" ملاحظہ فرمائیں جسے اب نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ آپ کے پوتے صاحبزادہ ابرار احمد بگوی نے جامع مسجد بھیرہ ضلع سرگودھا سے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ حدائق الحنفیہ، نزہۃ الخواطر اور نقوش لاہور نمبر میں اس خاندان کے بزرگوں کے حالات درج ہیں۔

۴۷۷ مولانا احمد دین بگوی اس خاندان کے صاحب تصنیف علما میں سے تھے۔ ان کی متعدد کتابوں میں سے ایک اہم ترین کتاب "دلیل المشرکین" ہے جو مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ نے ایڈٹ کر کے شائع کی ہے۔ یہ کتاب توحید وشرک کے موضوع پر بڑی اہم کتاب ہے۔

مرحوم (شاگرد حضرت مفتی مولانا کفایت اللہ دہلوی) خطیب و مہتمم قرار پائے۔ اب ان کے جواں سال، صالح، باہمت اور مخلص صاحبزادے مولوی ابرار احمد بگوی خدماتِ دینی و تبلیغی انجام دے رہے ہیں۔ اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ مولانا غلام محی الدین وہ بزرگ ہیں جہاں سے اس خاندان کو شہرت و وجاہت ملی، ویسے آپ کے بزرگ حافظ نور حیات بن حافظ محمد شفا بن حافظ نور محمد بھی خادمانِ دین و علم تھے۔ حدائق الحنفیہ کی روایت کے مطابق مولانا غلام محی الدین کا سالِ ولادت ۱۲۰۳ھ ہے۔ جب کہ تذکرہ مشائخ بگویہ جو خاندانی مستند تذکرہ ہے، اس میں سن ولادت ۱۲۱۰ھ ہے[۴۸]۔ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا احمد دین بگوی سمیت معقول و منقول کی جملہ کتابیں پڑھ کر دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز سے حدیث پڑھی، جس کی سند حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی، کیونکہ شاہ محمد اسحٰق نے بعد از فراغت ان کو شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا، اُنھوں نے چند سوالات کے بعد علم حدیث کی سند عطا کی اور دُعا کر کے فرمایا "انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے بڑا فیض ہوگا" شاہ صاحب نے نصیحت کی "جب تم وطن میں جاؤ تو ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ پڑے"[۴۹]

دہلی سے آپ لاہور آئے تو بھاٹی دروازہ کے اندر مسجد حکیماں والی کو مرکز علم و خطابت بنایا۔ آخری دور میں لمبا عرصہ شدید بیماری کی حالت میں بھی فرائض دینی، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ سے آخری دور میں بڑا فیض پہنچا۔ آپ کے صاحبزادے مولانا غلام محمد بگوی تھے جو علوم درسیہ میں اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے تو معرفت و طریقت میں نقشبندی مجددی سلسلے کے گل سرسبد شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ اور ان کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ سے فیض یاب ہوئے۔ سکھوں کے بعد انگریزوں نے بھی شاہی مسجد کو فوجی چھاؤنی بنائے رکھا۔ انگریز سے مسجد کو واگذار کرانے کے سلسلے میں مولانا غلام محمد نے تحریک شروع کی۔ تحریک کامیاب ہوئی تو مسجد کی تولیت و خطابت وغیرہ آپ کے سپرد ہوئی۔ ۱۳۱۸ھ میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے نامور صاحبزادے مولانا محمد شفیق بگوی شاہی مسجد کے خطیب ہوئے اور اس کے ساتھ ہی ایچی سن کالج لاہور کے ہیڈ مولوی اور صدر دینیات قرار پائے اور

---

۴۸ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۹۴ - لاہور ایڈیشن

۴۹ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۹۵

سولہ برس تک ان کا فیض جاری رہا - اس خاندان کی تعلیمی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کے نتیجے میں لاہور میں بڑی روشنی پھیلی اور ہزاروں افراد کو اصلاح احوال کی توفیق نصیب ہوئی -

اس آخری دور میں دوسرا خاندان جس کا ہمیں ذکر کرنا ہے وہ ہے غزنوی خاندان، جس کے علم و روحانیت کی آخری نشانی سید ابوبکر غزنوی مرحوم تھے جو ۱۹۷۶ء میں لندن میں ایک حادثے میں شدید زخمی ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے - اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت سیّد عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی نے نیز شیخ شمس الحق دیانوی وغیرہ نے بہترین الفاظ میں کیا ہے [۵۵] آپ غزنی (افغانستان) کے رہنے والے تھے - سیّد ابوبکر غزنوی مرحوم نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ (اپنے والد ماجد) کا جو تذکرہ " سیدی وابی " کے نام سے لکھا ہے اس میں آپ کی بھرپور زندگی کا کچھ تذکرہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب اپنے دور کے عظیم ترین لوگوں میں تھے، جنھیں دنیا پرست علما اور امرا نے سخت پریشان کیا، بالآخر آپ کو امیر دوست محمد خاں نے جلاوطن کر دیا - جلاوطنی کے بعد آپ ہزارہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے - اس کے بعد آپ واپس وطن گئے، لیکن اس وقت کے امیر شیر علی خاں نے پھر علمائے سو کے بھڑکانے سے آپ کو دوبارہ جلاوطن کر دیا، جس کے بعد کچھ عرصہ پشاور میں قیام فرما کر آپ مشرقی پنجاب کے مشہور شہر امرتسر تشریف لائے جہاں مسندِ علم و طریقت بچھائی، یہیں سے آپ کے اخلاف کا رابطہ لاہور سے ہوا - ان کے صاحب زادوں میں سے تمام حضرات علم و فضل کی وادی کے شہ سوار تھے - جن میں سے مولانا عبدالواحد اور مولانا عبدالجبار کو بڑی اہمیت حاصل تھی - مولانا عبدالواحد لاہور کی مسجد چینیا والی کے خطیب و مدرس تھے تو مولانا عبدالجبار امرتسر میں اپنے والد کے وارث و جانشین - مولانا عبدالجبار کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحی نے لکھا ہے :

> " بیس برس سے کم عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے، ذہین بہت تھے، مطالعہ خوب کرتے تھے، فہم و فراست میں انھیں وافر حصہ ملا تھا، درس قرآن و حدیث میں انہماک رہتا، دنیا اور اہل دنیا سے لاتعلق رہتے، مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں مشغول رہتے - ذکر اللہ میں ڈوبے رہتے، فتویٰ دیتے وقت کسی معین مسلک کی

---

[۵۵] نزہتہ الخواطر، ج ۷، ص ۳۰۲ - ۳۰۳

پابندی تو نہ کرتے لیکن ائمہ کبار سے انتہائی حسن ظن رکھتے تھے۔[۵۱]

مولانا عبدالواحد غزنوی جنھیں فصلِ خطاب، حُسن بیان اور فہم قرآن میں حصۂ وافر عطا ہوا تھا[۵۲] کے متعلق میں نے بہت سے ثقہ لوگوں سے یہ بات سُنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ عظیم مقام بخشا تھا کہ صبح کی نماز مسجد چینیانوالی میں پڑھاتے تو ان پر اس قدر رقت طاری ہو جاتی کہ سارے نمازی حتیٰ کہ اس گنجان علاقے کے اردگرد کی آبادیاں متاثر ہوتیں۔ ذکر اللہ میں اتنا روتے کہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کے سبب نالیاں سی بن گئی تھیں۔ ابتلاء و آزمائش کے شدید ترین اور سخت ترین دور میں اُنھوں نے لاہور میں اصلاح عقائد کا اور دعوت و تبلیغ کا اتنا کام کیا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

مولانا عبدالواحد غزنوی کے بعد اس جگہ کو ان کے بھتیجے اور خاندان غزنویہ کے چشم و چراغ مولانا سید داؤد غزنوی نے سنبھالا۔ اُنھوں نے سیاسی زندگی میں ایک باوقار مقام حاصل کر لیا تھا لیکن اس وادی میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے باوجود اپنے بزرگوں اور اسلاف کی مسند علم و خطابت کو اس خوش اسلوبی اور خوبی سے سنبھالا کہ کرشمہ دامن می کشد والی بات سامنے آتی ہے اور ان کی عزیمت و دعوت کی زندگی پر زبان سے تحسین و آفرین کے کلمات نکلتے ہیں۔ مسجد چینیانوالی اور وہاں کا مدرسہ، جماعتی نظم، مدرسۂ غزنویہ کا تقسیم کے بعد لاہور میں دوبارہ اجرا مولانا کے شاندار کارنامے تھے۔ لاہور اور لاہور سے بعد ان کے خطبات، دعوتی سفر اور تقاریر کا معاملہ ایسا نہیں جو چند سطور میں سمیٹا جا سکے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے ایک مضمون میں انھیں شاندار خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی ہمہ گیر شخصیت کا دل کھول کر اظہار کیا ہے[۵۳] جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا داؤد غزنوی کی زندگی لمحے وقتوں کے ارباب دعوت و عزیمت کا حسین نقش تھی۔ مولانا کے بعد ان کے صاحب زادے مولانا سید ابوبکر غزنوی "الولد سر لابیہ" کا مصداق تھے۔ علوم جدیدہ و قدیمہ کے ماہر، لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اسلامیات، پھر بہاولپور اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ ان کا خطبۂ جمعہ علم و خطابت کا آئینہ دار ہوتا، جس سے ہزاروں لوگ استفادہ کرتے

---

[۵۱] نزہتہ الخواطر، ج: ۸، ص: ۲۱۸-۲۱۹

[۵۲] سیدی و ابی، ص: ۱۵۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

[۵۳] ایضاً ص ۲۷

جب کہ ان کے حلقۂ ذکر سے چند در چند لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

اس حلقے کے ایک گوہر تابدار مولانا محمد حنیف ندوی ہیں۔ فلسفہ و کلام کے ماہر، ایک مدت تک اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ کی مسجد مبارک میں درس و خطابت کی رونق رہے اور ہزاروں لوگوں کی اصلاح کا باعث بنے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور میں آج کل ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ متعدد قیمتی کتابوں کے مصنف۔ اگلے دور کے اہل علم کی شرافت اور وضع داری کا نمونہ۔ ان کے متعلق ادارہ ثقافت اسلامیہ نے ۲۰ جولائی ۱۹۸۴ء کو شاندار تقریب کا اہتمام کر کے انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

اس ضمن میں روپڑی خاندان بالخصوص مولانا عبد اللہ روپڑی کا نام لینا بھی ضروری ہے جو حدیث میں اونچا مقام رکھتے اور اصلاح کے معاملات میں تیغ براں تھے۔ افسوس کہ اس وضع کے اہل علم، جن کا علم پختہ ہو، جو عمل کے رسیا ہوں، دعوت و تبلیغ جن کی غذا ہو اور جو دولت خلوص و ایقان سے مالا مال ہوں اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں اور یہ اس شہر کا ہی نہیں سارے ملک کا المیہ ہے۔

غزنوی خاندان کے ساتھ حنفی اسکول میں جس شخصیت نے لاہور میں مجددانہ نوعیت کا کام کیا وہ مولانا احمد علی لاہوری تھے۔[۵۴] گوجرانوالہ کے نومسلم شیخ حبیب اللہ کے یہ صاحبزادے، جنھیں بچپن ہی میں اپنے ایک نومسلم بزرگ مولانا عبید اللہ سندھی کے سپرد کر دیا گیا اور انھی کی نگرانی میں آپ کی تعلیم ہوئی، تربیت کے سلسلے میں حضرت مولانا تاج محمود امروٹی اور حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری جیسے مجاہد بزرگوں سے متعلق رہے۔[۵۵] حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تحریک استخلاص وطن کے جانباز سپاہی، نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کے استاد، درس قرآن کا التزام کرنے پر مولانا عبید اللہ سندھی سے بیعت اور پھر اس عہد و بیعت کو اس طرح نبھانے والے کہ سفر ہو یا جیل، کہیں بھی درس کا ناغہ نہ ہوا۔ کابل کی ہجرت بھی کی، لاہور میں پابجولاں لائے گئے اور اسی شہر کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ نصف صدی کے قریب قرآن کا درس دیا، علما اور

---

۵۴ آپ کے مفصل حالات کے لیے "مرد مومن" مطبوعہ فیروز سنز لاہور اور ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کا "حضرت لاہوری نمبر" ملاحظہ فرمائیں۔

۵۵ ان حضرات کے حالات انڈیا آفس لائبریری کی دستاویزات سے مرتبہ کتاب "شیخ الہند" کے علاوہ "ید بیضا"، "نقش حیات" از مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

انگریزی خواں حضرات کی کلاسیں اس پر مستزاد تھیں۔ انڈونیشیا، ایران، افغانستان، چین اور نجد و حجاز تک کے لوگ ان کلاسوں میں استفادہ کے لیے آتے۔

بے شمار علما و فضلا میں سے اس لاہور کو مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری، مولانا نجم الدین، مولانا رسول خاں (بعد میں صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور) علامہ نور الحق علوی، مولانا کریم بخش مظفر گڑھی، علامہ نور الحسن (تلہ گنگ) مولانا عبد العزیز میاں میر، مولانا عبد العزیز مزنگ، مولانا محمد صادق مسجد پٹولیاں (اندرون لوہاری دروازہ) مولانا عبد الحنان ہزاروی اور بہت سے حضرات نے اپنے علم و فضل سے مالا مال کیا۔

اس حلقے کے مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نیلا گنبد کے اسمائے گرامی بھی قابلِ ذکر ہیں جن کی تصنیفی، تبلیغی، دعوتی اور تدریسی خدمات مسلّمہ ہیں۔

مولانا غلام مرشد عرصۂ دراز تک بادشاہی مسجد کی مسندِ خطابت پر فائز رہے، وہ سنہری مسجد (رنگ محل) میں درسِ قرآن بھی دیتے تھے۔ انھوں نے درس و خطابت کی صورت میں دین کی خوب اشاعت کی۔ لاہور کے اصحابِ علم حضرات میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

ان حضرات کے علاوہ مولانا سید دیدار علی اور ان کے دو صاحب زادوں۔ مولانا سید ابوالحسنات اور مولانا سید ابوالبرکات نے لاہور کی مسجد وزیر خاں کو مرکز بنا کر کام کیا اور ایک دنیا ان سے متاثر ہوئی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی حیدر آباد (دکن) سے لاہور تشریف لائے اور تصنیف و تالیف اور درس قرآن کے ذریعے خدمات انجام دیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی تصنیفی مساعی بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

شیعہ اہلِ علم اور اصحابِ فضل میں سے علامہ کفایت حسین کا اسم گرامی بالخصوص لائق تذکرہ ہے انھوں نے لاہور تشریف لا کر لوگوں کو بہت متاثر کیا اور ہر حلقے کے اکابر سے تعلقات استوار کیے وہ بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔

لاہور میں ابتدائی دور سے اب تک علما کی تبلیغی و تدریسی اور تصنیفی و اصلاحی کوششوں کا یہ ایک نہایت مختصر جائزہ ہے، جس کی تفصیلات دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان حضرات میں سے بعض بزرگوں کے افکار و تصورات سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔